۱۳۸۲

رقعۂ شیعی کا جواب

یعنی

خواب سے خطاب

علی اکبر کا خواب

۵ع

از

عالیجناب عماد الاسلام تاج العلماء مولانا محمد نقی صاحب قبلہ نجفی مجتہد لکھنوی

باہتمام :- سبحانی مشن کراچی (پاکستان)

...س پریس کراچی) قیمت فی کاپی ۲۰/-

۷۸۶

آج ۱۰ محرم الحرام سنہ ھ ہے۔ واقعہ کربلا کو پورے ۱۳۱۰ سال ہو چکے ہیں، اسوقت میں اس مبارک پیغام کی تحریر کر رہا ہوں۔ خدا جانتا ہے یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ کوئی ۱۳ سو برس پہلے کی بات ہے۔ بلکہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ شاہزادہ علی اکبرؑ اس وقت گوہر ریزی فرما رہے ہیں اور میں خوش نصیب ان جواہر پاروں کو دامن قرطاس میں سمیٹ رہا ہوں۔ خدا کے فضل سے مجھے امید ہے کہ یہ پیغام ان لوگوں تک پہونچ جائے گا۔ جن کو شاہزادے نے بزبان حال خطاب فرمایا ہے ساتھ ہی ساتھ مجھے یقین ہے کہ یہ مبارک آواز نوجوانوں کے دل میں ضرور گھر کرے گی، یہ جواہر ریزے آویزہ گوش و ہوش بنکر رہیں گے، کیوں نہ ہو آخر یہ موتی ہیں کسی پاکیزہ صدف کے اور ان کی آب و تاب کیسی اور کہاں کی ہے۔

سال گذشتہ جب میں نے کربلا کے بلشیر کا پیغام پیش کیا تو قوم نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیکر قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ میں نے اسوقت ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ سال حسینؑ کے کڑیل جوان کا پیغام قوم کے سامنے پیش کرونگا اتفاق عجیب یہ ہے کہ محرم سے کچھ قبل میرے ایک مقدس حبیب اور متقی دوست نے بھی امسال کیلئے اسی موضوع کی مجھ سے فرمائش کی۔ خدا کا شکر ہے یہ سعادت میسر ہوئی اور فرمائش کا احترام بھی ہوگیا۔ شہید حق کی یہ مبارک صدا صحرائے کربلا سے اٹھی ضرور تھی لیکن اس کی جگہ دل کی گہرائیوں میں ہے۔ اس لئے مجھے کامیابی کا یقین ہے۔

ناچیز محمد نقی نجفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنا تعارف

میں کون ہوں ؟ -

میرا نام :- علیؑ
کنیت :- ابوالحسن
لقب :- اکبر

۴۲ھ میں پیدا ہوا ۶۱ھ ۱۰ محرم کو میں تقریباً ۱۸ سال کا تھا

حلیہ و نسب

تم کو ہر تاریخ بتلائے گی کہ میرا ناک نقشہ، خدوخال، صورت شکل پیغمبر آخرالزمان سے ملتی ہوئی تھی۔ بول چال بھی اسی طرح کی تھی۔ اسی لئے دنیا مجھے شبیہہ رسولؐ کہتی ہے۔ اب تم خود ہی پہچان گئے ہوگے میں کون ہوں ؟ حسین بن علیؑ کا فرزند، ام لیلیٰ خاتون کا بیٹا ہوں۔ ایک بات یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ میری نانی "میمونہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں، میرے نانا ثقفی تھے ہماری نسبی وجاہت اور خاندانی اقتدار کو تم نے دیکھا، ہمارے کردار کو بھی تم دیکھ لوگے۔ کتنا بلند و مستحکم ہے، بایں ہمہ ہماری تواضع دیکھو، غرور سے ہم کوسوں دور، تکبر کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا، خود بینی کو ہمیشہ وقار کا دشمن سمجھا۔ دنیا کا یہ خیال غلط ہے، کہ خود پسندی، خود نمائی، غرور و تکبر عزت کی جان ہیں، اس سے اقتدار قائم ہوتا ہے، یاد رکھنا اخلاص کیساتھ سادگی سے جو احترام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے وہ کسی کے مٹائے نہیں مٹتا، دیکھو یزید اپنے گھمنڈ سے اپنے کبر و نخوت سے ہم پر فتح حاصل کرنا چاہتا

تھا۔ ہم نے اپنی سادگی سے اس کا مقابلہ کیا۔ سچ بتاؤ حضرت کس کو ملی۔ انصاف پسندوں ہزید کی طرف مائل ہوتے یا ہم ایسے ہیں؟ قہر و جبر سے دوسرے کو اپنانا ایک جنون ہے، اخلاص و محبت کے ذریعہ سے دل موہنا ایک زرین کامیابی ہے۔

میری تربیت

حضرت احدیت الٰہی نے جہاں مجھے جمال ظاہری سے سرفراز فرمایا۔ وہاں اس کا احسان عظیم یہ بھی تھا کہ زمانہ کی بہترین گود میں میری پرورش کروائی اور پاکیزہ ماحول میری پرورش تھا کا شرف بخشا یہ روشنی کا زمانہ ہے تم خود ہی سمجھ لو مجھے کیسا ہونا چاہئے تھا۔ میراث کی سو غاتیں، تربیت کے خصائص ماحول کی یکتائی خدا کے فضل و کرم سے مجھے سب ہی کچھ میسر تھا۔ میرے حسن ظاہری و باطنی کو دنیا کی نگاہیں اٹھتی رہیں۔ ہر بزم میں اس کے چرچے ہوتے تھے،

ایک روز کا ذکر سنو۔ شام کا امیر "معاویہ بن سفیان" اپنے حسالی موالی میں بیٹھے ہوئے کہنے لگا۔

من احق الناس بھذا الامر قالوا انت قال لا اولی الناس بھذا الامر علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب جدہ رسول اللہ وفیہ شجاعۃ بنی ہاشم وسخاء بنی امیہ وزھو ثقیف، معاویہ کہنے لگے بتاؤ موجودہ زمانہ میں اس امر خلافت کا سب سے زیادہ کسکو حق ہے، خوشامدی حاشیہ نشینوں نے کہا تم سب سے زیادہ حق رکھتے ہو۔

معاویہ نے کہا، نہیں میں نہیں، سب سے زیادہ حقدار علی بن الحسین ؑ ہیں کیوں کہ ان کے جد رسول اللہ ؐ ہیں۔ ان میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ

کی سخاوت، ثقیف کی ہوشمندی ہے (مقاتل ابو الفرج، اصابہ وغیرہ)
اس واقعہ میں شامی ذہنیت کے کتنے تاریک گوشے ہیں فی الحال مجھے ان
سے بحث نہیں۔ مجھے تو یہ دکھانا تھا کہ میں مخالف کی نظر میں بھی چڑھا ہوا ہوں۔

قیام مدینہ

میری پیدائش مدینہ طیبہ ہی میں ہوئی تھی۔ عمر کا زیادہ حصہ یہیں گذرا۔
سنہ ۶۰ھ میں جب بابا جان سے بیعت یزید کا مطالبہ کیا گیا، اور انکار بیعت
پر دشمن نے سر حاصل کرنے کی کوشش کی، عالی حوصلہ امام نے مدینہ کی حرمت
کا خیال فرماتے ہوئے، مدینہ طیبہ سے ہجرت کی، دراصل بیعت کا سوال ایک
ایسا قبیح مطالبہ تھا، ایک ایسا گھناؤنا خیال تھا جسکو ہم کسی طرح منظور ہی
نہیں کر سکتے تھے، یزید کی شقاوت کہئے یا انتہائی نادانی، اس خواہش
کو راہ ہٹ بنا دیا، اور اپنے تاج و تخت کی بربادی کا خود سبب بن گیا،
ہم دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے، امن پسند، ایک گوشہ میں بیٹھے رہنے،
آخر معاویہ کا زمانہ، ہمارے بابا نے کیوں کر گذارا نہ اس نے بیعت کا مطالبہ کیا،
نہ ہم کو جواب دینا پڑا۔ یزید کی یہ جرأت وہ تھی جس کی ہمت اس کے باپ نے
کبھی نہ کی کیونکہ امام اس کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ یزید کی بیعت تو نیم کا پلا
ہے۔ (مراۃ الجنان جز ا صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ حیدرآباد) بیعت کے
مقابلہ میں ہر چیز چھوڑنا پسند کی، بیعت گوارا نہ کی اور حضرت نے مدینہ سے
کوچ فرمایا۔

امام عالی قدر مجھے بھی ساتھ لائے

مجھے صرف اس لئے نہیں لائے تھے کہ میں ان کی اولاد تھا۔ بلکہ میرے لانے کا ایک خاص مقصد بھی تھا۔ آقائے نامدار کے حکیمانہ تدبر کا بہترین ثبوت خود وہ گلدستہ ہے۔ مظلومی کا گلدستہ، مظلومین کا گلدستہ جس کو امامؑ کے سلیقہ پرور ہاتھوں نے بڑے کیف سے بنایا اور نہایت خوب صورتی سے سجایا امام عالی مقام نے اپنی مختصر سی جماعت کو ہر صنف اور ہر سن کے لوگوں سے مرتب کیا تھا۔ ہائے کیا قیامت خیز ترتیب تھی۔ اور کتنی برجستہ نگاہ انتخاب تھی۔ اس گروہ میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے، جوان، پیر، ہاشمی غیر ہاشمی، ترکی، حبشی وغیرہم سب ہی شریک کئے تھے، کیوں۔ صرف اس لئے کہ سب کی نمائندگی ہو جائے، اور اس انوکھے اجتماع سے اچھوتا نتیجہ برآمد ہو۔

حضور نے مجھے بھی اس مجموعہ کا ایک جزو قرار دیا۔ یعنی مجھے جوانانِ عالم کی نمائندگی کا شرف مرحمت فرمایا۔ مجھے تو اپنی اس سرفرازی پر ناز ہے۔ اور غالباً تم کو بھی اس پر افتخار ہوگا۔ کہ میں نے تمہاری نمائندگی کا نوجوان حق ادا کر دیا، ایسا حق ادا کیا جسکو پیری کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی۔ کند ہم عمر با ہم عمر اخلاص۔ مجھے ترک شربا کے تمہاری نوجہات کو بھی مبذول کر لیا۔ مجھے یقین ہے تم تا قیامت مجھ سے اپنی نظریں نہ پھراؤ گے اور جو کچھ میں نے تمہارے لئے کیا ہے۔ اس کی مجھے داد دیتے رہو گے۔

راہِ کربلا کا اہم ترین واقعہ

جب ہمارے قافلہ نے قصر بنی مقاتل سے کوچ کیا۔ یہ جگہ کوفہ سے قریب ہے، "بابا جان" اونٹ پر سوار تھے۔ میں اپنے گھوڑے پر ہ

بیٹھے بیٹھے۔ حضورؑ نے اپنا سر زانو پر رکھ لیا، اور کچھ نیند سی آگئی۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت نے آنکھ کھولی اور سر اٹھا کے فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون والحمد للّٰہ رب العلمین۔ دو یا تین مرتبہ اس کا اعادہ فرمایا۔ میں نے بھی حضرت کی تاسی کی اور یہی مبارک فقرے ادا کرتا ہوا گھوڑا بڑھا کے سرکار والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں حضور پہ بدل و جان فدا۔ اس وقت ان فقروں کو حضور نے اپنی زبان پہ کیوں جاری فرمایا۔

ارشاد فرمایا۔ بیٹا کچھ یوں ہی سی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے ایک سوار کو دیکھا وہ ہم کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ "موت اس کاروان کے ساتھ ساتھ جا رہی ہے" بیٹا تم اس کا مطلب سمجھے؟ ہمکو ہماری مرگ کی خبر سنائی جا رہی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ السنا علی الحق "کیوں مولا ہم لوگ حق پر ہیں نا" فرمایا اس خدا کی قسم جسکی بارگاہ میں سب کی بازگشت ہے۔ ہم یقیناً حق پر ہیں۔ تو میں نے عرض کیا۔ اذا لا نبالی نموت محقین۔ حق پہ ہوتے ہوئے موت کی کیا پرواہ ہے، آئے اور خوشی سے آئے۔ (طبری)

اس واقعہ اور اس گفتگو سے ہمارے سفر کا انجام اور اس کے مقصد ایک باہم انسان پر روشن ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہم ملک گیری کے لئے نہیں جا رہے ہیں۔ راہ حق میں سر دینے کے لئے نکلے ہیں۔ خوب اچھی طرح اسے ذہن نشین کر لینا۔ اس گفتگو سے۔ یہ زرین نتیجہ بھی یادگار ہے کہ اس معرکۂ خیر و شر میں۔ میری شرکت ذیلی اور ضمنی نہیں۔ بلکہ مستقل ہے سمجھی بوجھی ہے، اپنی ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں۔ باباجان کے ساتھ ہوں اس لئے کہ وہ میرے پدر بزرگوار ہیں، اور ہر سعادتمند فرزند، وقت پہ اپنے باپ کے کام آتا ہے۔

نہیں میری شرکت اس لئے نہیں، بلکہ بابا حق پر ہیں، اور ہر حق پسند پر اہل حق کی نصرت فرض ہے، میں اسی جذبہ کیساتھ شریک ہوا ہوں۔ جس کا ثبوت شب عاشور کی گفتگو سے بھی بخوبی ملتا ہے۔ اس واقعہ کے بیان کے بعد تمہیں اپنے نمائندہ کی کارگذاری کی قدر و منزلت کا کچھ صحیح اندازہ ہو جائیگا۔

غرض ہم راہ خدا میں سفر کرتے رہے تا اینکہ ۲ محرم ۶۱ھ کو وارد کربلا ہوئے خیمہ برپا گئے، محصور ہوئے، ہماری جماعت بہت قلیل، دشمن کی سپاہ بیشمار ساتویں سے پانی بھی بند ہو گیا، ہر نئی صبح تازہ بتازہ مصیبتیں ساتھ لاتی تھی۔ یونہی ۹ تاریخ گذری۔ دسویں شب آئی۔ وہ تاریخی شب جس کی تفصیل تم کو معلوم ہے، وہ بھی تمام ہوئی۔

اذان صبح عاشور

یوں تو روزانہ ایک اور مخلص بندہ مومن نماز کے لئے اذان دیتے تھے، مگر صبح عاشور ستارہ سحری کے طلوع کے بعد شاہ عالی مقام نے مجھے اذان کا حکم دیا۔ میں نے حسب الارشاد اذان کہی۔ تم اس اذان کو وہ رسمی اذان نہ سمجھنا، جس سے نمازی جگائے یا پکارے جاتے ہیں۔ ہر اذان کا اتنا مختصر مطلب نہیں پھر کربلا کی یہ تاریخی اذان۔ ایسی سبک کیوں ہوتی۔ تم خود جانتے ہو کہ میں اور تمام حسینی شب بھر بیدار رہے ہیں۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا ہمکو نیند پر مجبور نہ کر سکی۔ زمزمہ ریز طائروں کے خوش آیند نغمے میرے لئے لوری نہ ہو سکے۔ میرے مستحکم عزم کو ہوا کے نازک خرام جھونکے کیا جنبش دیتے۔ مجھے معلوم ہے ؎

نہیں ہنگامہ پیکار کے لائق وہ جواں
جو ہوا نالہ مرغان سحر سے مدہوش

اقبال

وہ عاشور کی پر جلال صبح جس کی ابتدا میری اذان سے ہوئی نہ پوچھو اس وقت مجھ پر کون سا عالم طاری تھا، جبروت کبریائی کی تجلی نے مجھے ... ڈھانپ لیا، میں ایک بلندی پر آیا، اور اذان شروع کی۔

یہ اذان کیا تھی؟ کاروانِ عزم وعمل کے لئے بانگ درا تھی۔ سچ پوچھو تو میں تم کو پکار رہا تھا۔ تم کو بیداری کی دعوت دے رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے اس نے میرے آواز کو صدا بصحرا نہ ہونے دیا وہ آج تک گوشِ شنوا سے ٹکرا رہی ہے اور اپنے مقصد کی دعوت دے رہی ہے۔ بحمداللہ اس کے حلقہ بگوشوں میں ہر روز اضافہ ہی ہوتا ہے۔

ہاں تو میں نے اذان شروع کی۔ اللہ اکبر پہلی مرتبہ کہا۔ فضا پر ایک حیرت خیز سکوت چھایا، طائر نغمہ بھول گئے۔ دشمن کے سپاہی دم بخود ہو گئے۔ حر کا قلب مضطرب ہو گیا۔ ذرہ ذرہ ہمہ تن گوش تھا۔ روح حضرت داؤد بھی سرشار تھی، اللہ والوں کے بند بند کانپے، رونگٹے کھڑے ہو گئے، دل جھومنے لگے، دیکھو اس صدا کو کبھی سبک نہ سمجھنا۔ جس کی ابتدا اللہ اکبر اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ ہے، یعنی یہ وہ مبارک ندا ہے جس کی ابتدا پر جلال وعظمت لفظ اللہ سے ہے۔ اور خاتمہ بھی اسی پہ ہے۔ یقین جانو۔ ہمارے آغاز وانجام مبدا ومعاد کی بہترین تعبیر ہے وہ دل جو نعرۂ اللہ اکبر سے نہیں تڑپتا وہ مردہ ہے۔ صرف صور سرافیل کا منتظر ہے۔ میں نے اذان دی اور اس طرح جسطرح مردِ مجاہد کی اذان ہونا چاہیئے، اذان دی اور ایسی اذان جو خفتگانِ گرداب کو قیامت تک چونکاتی رہے گی۔ آج بھی تم اس کی گونج سن رہے ہو، صبح حشر تک یہ ہی سلسلہ جاری رہے گا ؎

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز

نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا
اقبال

میری اذان سے نونہالان چمن جھومے، نوجوانان صحرا نے انگڑائی لی۔ نو واردان دیار شباب آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھے، اذان تھی، صبح عاشور کی اذان اس نے دل ہی نہیں ہلائے قصر شام کی بنیادوں میں جنبش پیدا کر دی۔ مجھے ناز ہے اور بجا ناز ہے کہ میری اذان نے جس مقصد کا اعلان کیا تھا۔ میرے عمل نے حرف بحرف تصدیق کی۔

ظہر عاشور

یہ تو تم کو معلوم ہے کہ سب کے ساتھ میں بھی بھوکا اور پیاسا تھا، شباب کی حرارت، آفتاب کی تمازت اور جنگ کے خوف ناک شعلوں نے میری پیاس کو بہت بھڑکا دیا تھا۔ بڑی خوشامد کے بعد جب مجھے معرکہ آرائی کی اجازت ملی تو میں میدان میں آیا۔ میں نے یہ رجز پڑھی۔

انا علی بن الحسین بن علیؑ نحن وبیت اللہ اولی بالنبی

واللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

میرا نام علی ہے میں حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب کا فرزند ہوں بیت اللہ کے جاہ و جلال کی قسم سب سے زیادہ بارگاہ رسالت میں کسی کو منزلت میسّر نہیں ہوئی۔ خدا کی قسم دکوئی ، نسازادہ ہم پر حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ (ابومخنف و طبری) — اور میں جنگ میں مصروف ہوا۔ اسی اثنا میں یزیدی گروہ سے مجھے امان دی گئی۔ یہ کہہ کر انلک رحماً امیرالمومنین یزید فان

شنت امنائک (چونکہ میمونہ بنت ابوسفیان میری والدہ کی ماں ہیں اس لئے)
ایک کوفی نے کہا چونکہ تم امیر۔۔ یزید کے رشتہ دار ہو اگر چاہو تو تم کو امان
دے سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو۔ میں نے اس کا کیا جواب دیا تھا۔؟ میں نے کہا
ویلک لقرابتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ احق ان ترعی۔ تجھ پر
وائے ہو ابوسفیان کی قرابت کا یہ لحاظ کہ مجھ کو امان دی جاتی ہے حالانکہ رسول
اللہ سے جو مجھے (اور پدر بزرگوارم) کو قرابت ہے اس کا لحاظ کرنا چاہئے تھا اس
نیرنگ پر افسوس ہے۔"

(حبیبی الودی بیتہ) یہ کہہ کر میں نے امان کو ٹھکرا دیا۔ تم کو اس
واقعہ سے اُس گروہ کی ذہنیت کا کافی اندازہ ہو سکتا ہے جو ہمارے مقابل
تھا۔ ہمارے تور دیکھو، ہمارے عزم و عمل پہ غور کرو۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے؟
یہ خیال احساس کمتری کا ایک ثبوت ہے۔ ہم نے اس کو کبھی دماغ میں جگہ
نہ دی بلکہ یہ کر کے دکھایا کہ "ہم کیا نہیں کر سکتے"!
دشمن کی ایسے نازک وقت یہ پیشکش، استقلال و عزم کی سخت ترین۔۔
آزمائش تھی۔ قوت ارادی کا ہوش ربا امتحان تھا۔ اس خدا کا ہزار ہزار
شکر جس نے میرے ثبات قلب میں فرق نہ آنے دیا۔ حالانکہ تم جانتے ہو میں تین
دن کا پیاسا تھا۔ اور ایسا پیاسا کہ جب میں میدان کارزار سے پلٹا ہوں تو
میں نے بیتابانہ کہا تھا۔ "بابا جان! پیاس کی شدت اور ہتھیار کی تپش نے
مجھے پریشان کر دیا ہے، کاش پینے کو پانی مل جاتا، اس کا جواب بابا نے جو کچھ
مرحمت کیا تم کو معلوم ہے۔

میں نے پانی کیوں مانگا؟

اس کے دو سبب تھے ۱۔ میری بے تابی کیوں کہ چلچلاتی ہوئی دوپہر میں

میں مصروف جہاد تھا۔ [illegible] میں یہ چاہتا تھا۔ کہ دشمنوں کو ان کے کیفر کردار کو پہنچا دوں۔ تم نے دیکھا میں نے پیاس کی اس شدید بھڑک کے ہوتے ہوتے دشمنوں کو میدان سے بھگا دیا تھا۔ اب کوئی میرے مقابلہ کو نکلتا ہی نہ تھا۔ اسی لئے مجھے اتنا وقت مل گیا تھا۔ کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو سکا اب تم ہی بتاؤ اگر میں سیراب ہوتا تو ان دشمنوں کا کیا حشر ہوتا (امام وقت کی مصلحت نہ تھی ورنہ اعجاز نمائی ہوتی) اتنی شکیب ربا مصیبتوں میں تم نے میرے حوصلہ اور ارادہ کی بلندی دیکھ ہی لی۔ میں پھر میدان میں آیا۔ اور خوب ہی جنگ کی۔ وہ جنگ جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ اسی اثنا میں مرہ بن منقذ ملعون نے نیزہ مارا، نیزہ دل پر بیٹھا زخم کاری تھا۔ میں سنبھل نہ سکا گھوڑے سے گر پڑا۔ چار طرف سے دشمن مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ اور مجھ تصویر رسولؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم ہی بتاؤ جن تلواروں نے میرا خون بہایا اور میرے جسم کے پرزے پرزے کئے۔ کیا وہ مسلمان کہے جا سکتے ہیں۔ میں تو شبیہ پیغمبرؐ تھا۔ میرا لب و لہجہ حضور اکرمؐ سے ملتا جلتا تھا۔ اسلام ہوتا تو میری قدر ہوتی وہاں کیا تھا تم خود فیصلہ کرو۔

فریضہ شناسی

دیکھو "باباجان" کو مجھ سے کس قدر الفت تھی، تھوڑی دیر بھی میرا آنکھوں سے اوجھل ہونا گوارہ نہ تھا۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ رخصت کے بعد میری سواری آگے آگے تھی۔ اور "باباجان" عقب میں تشریف لا رہے تھے۔ اور یہ فرما رہے تھے بیٹا جب تک میرا تیرا سامنا رہے۔ ادھر مڑ مڑ کر دیکھتے رہنا۔ ادھر یہ محبت اس طرف فریضہ کی اہمیت دیکھو اور ذوق قربانی کا جلال

ملاحظہ کرو کہ مجھ ایسے پیارے کو اپنے ہاتھ سے سجایا، خود میری کمر باندھی۔ بہ نفس نفیس میری ڈاب میں تلوار لگائی۔ اپنے ہاتھ سے مجھے زرہ پہنائی سر پہ عمامہ باندھا۔ اور ارشاد فرمایا تقدم "لو بیٹا جاؤ" غور کرو۔ کتنا اہم تھا وہ مقصد جس پہ حضور نے مجھے قربان کیا،

میری فریضہ شناسی

دیکھو میں نے کس جرأت سے ہر پیش آمد کا مقابلہ کیا کس حوصلہ سے سن کے تقاضوں کو نظر انداز کیا اور کس آن بان سے اصول زندگی پر قائم رہا۔ اور کس ہوشیاری سے ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے مقصد سے غافل نہ ہوا۔

ہم خوب جانتے تھے کہ ہمارا جسم تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا..... جائے گا۔ بے کفن میتیں جلتی ریت پہ پڑی رہیں گی۔ ہماری لاشوں پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے۔ ہمارے لیئے یہ سب چیزیں احتمالی نہ تھیں۔ ہمارے انجام میں ہم کو کوئی ابہام نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ ہم پہ گذرنے والی تھی۔ ہم اس سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور یقین کے ساتھ جانتے تھے۔

بایں ہمہ ہمارے قدم جادہ صداقت پہ جمے رہے اور حق کا ساتھ نہ چھوڑا اور اپنی جان قربۃ الی اللہ تمہاری بہبودی کے لئے قربان کر دی۔ سنو وہ یاد رکھو میں اس سرفروشی اور جاں بازی پہ کسی طرح مجبور نہ تھا۔ بابا نے شب عاشور سب کے ساتھ مجھے بھی جانے کی اجازت دیدی تھی۔ دشمن بھی مجھے امان دے رہا تھا۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے میں نے حیات پر شہادت کو ترجیح دی۔ صرف اس لئے مجھے اس وقت یہ ہی کرنا چاہیئے تھا۔

شکریہ

مجھے معلوم ہے۔ تمام اہل دل میری کہانی بڑے شوق و خلوص سے ایک دوسرے کو سناتے ہیں۔ اور ہر زمانہ میں سناتے رہیں گے۔ مجھ سے لوگوں کو محبت ہے، سب لوگ میرا احترام کرتے ہیں۔ ہر صاحب دل کے قلب میں میرے لئے تقدس و محبت کے جذبات موجزن ہیں۔ میں سب کا شکر گزار ہوں لیکن کبھی تم نے غور کیا یہ اثر کاہے کا ہے؟ آؤ میں بتاؤں یہ اثر کاہے کا ہے؟ ـــــــ

یہ اثر میری شخصیت کا ہے۔ اس شخصیت کا جس کا تعارف ابھی ابھی میرے کارنامہ نے کرایا ہے۔

شخصیت کیا ہے؟ ـــــ شخصیت ایک ذاتی جوہر ہے، ہمت، استقلال یقین، اس کی روح ہیں۔

شخصیت کا بنانا خود اپنا کام ہے، اس کے نمایاں کرنے کی سعی خود اپنا فریضہ ہے، جب شخصیت بن جائے تو اس کا برقرار رکھنا فرض ہے۔ جب شخصیت اپنا محترم مقام پیدا کرلیتی ہے تو نہایت خوش گوار نتائج برآمد ہوتے رہتے ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری شخصیت ایک ستون پر نہیں دو ستونوں پر قائم ہے، ایک وراثت دوسرا کردار، موروثی شخصیت، بغیر کردار کے وبال جان ہو جاتی ہے۔

اس کی تعمیر میں بالغ نظری اور خود اعتمادی کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ یاد رہے خود اعتمادی کی بھی ایک حد ہے۔ اس سے اگر بڑھ گئی۔ تو کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے قوت عمل شل ہو کر رہ جاتی ہے۔ خود اعتمادی

کی افراط وحشیانہ طرز اختیار کر لیتی ہے۔ (گھمنڈ اور خود اعتمادی میں فرق ہے۔ جسکو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے) اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو تو۔ ذہنی ترقی کی سوتیں خشک ہو جاتی ہیں۔ اور انسان قدرت کی فیاضی سے محروم رہ جاتا ہے۔ جو بڑی بدنصیبی ہے۔ جس سے شخصیت ناقص، غیر مقبول ہو جاتی ہے۔ اعمال میں اعتدال۔ فطری دولیعتوں میں توازن قائم نہیں رہتا۔ عادتیں غیر منظم و بے قاعدہ ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان زندگی کی دوڑ میں حصہ لینے کے لائق ہی نہیں رہتا۔ پھر کامیاب کیونکر ہو۔

ہاں بہر حال اپنی قابلیت وصلاحیت کا اندازہ ہمیشہ ٹھیک ٹھیک کرنا چاہیئے۔ بڑھ چڑھ کر تخمینہ، اپنی قابلیت میں غلط فہمی اکثر مہلک نتائج پیدا کرتی ہے × ایسی لغزشوں سے محفوظ رہنے کے لئے، ایسے خطروں سے بچنے کے لئے، کسی پختہ کار کی فرمانبرداری نہایت ضروری ہے۔ جسطرح میں نے آقائے نامدار کی اقتدا اپنا فرض سمجھا۔ یاد رکھو۔ اچھا نمونہ ایک ایسا نقش ہے جو دماغ پر خود بخود ہوتا رہتا ہے۔ ایسے نقوش ہمیشہ دماغ پر اپنا خاموش اثر ڈالتے ہیں جس کے بعد کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ شخصیت بن جاتی ہے۔ اس میں جاذب و کشش آجاتی ہے، دنیا کی باوقار نظریں پڑنے لگتی ہیں۔ مجھ سے تمہاری محبت کا یہی سبب ہے اور کچھ نہیں۔

زندگی

پچھلی گفتگو میں، زندگی کا لفظ کئی جگہ زبان پر آیا ہے، آؤ پہلے یہ دیکھیں زندگی کہتے کس کو ہیں؟ عوام اس حالت کا نام زندگی رکھتے

× پہچانے معاشرہ میں کوئی مقام حاصل ہی نہیں کر سکتا۔

ہیں۔ جس سے سانس کا سلسلہ برقرار رہتا ہے، یعنی لوگ عام طور پر آتی جاتی سانس کو زندگی کہتے ہیں، یہ تو ہر متنفس کو نصیب ہے، اور عارضی شے ہے۔ اس میں تگ و دو، جدو جہد کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ یہ وہ ہی چیز ہے جس کو ملک الموت بڑی آسانی سے اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں، بلند حوصلہ کی اصطلاح میں زندگی اس کو کہتے ہیں جسکو خود بنانا پڑتا ہے، اور وہ ملک الموت کے قبضہ کی چیز نہیں۔ زندگی ایک مسلسل تگ و دو کا دوسرا نام ہے، لگاتار کوشش، پیہم سعی، پے در پے جدو جہد کا نام زندگی ہے، یا زندگی اس مقدس حرارت کا نام ہے جو محرک عمل رہتی ہے، جہاں مختلف حالات و ادوار کو ایک ہی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ زندگی ایک ایسی وحدت ایک ایسی مربوط حقیقت ہے جس میں ہر چیز دوسرے سے متاثر ہے، عمل کو فکر، فکر کو ماحول۔ ماحول کو افراد سے الگ کر کے دیکھنا ایک نادانی ہے، جس کے بعد کبھی خوش نما منزل پہ پہنچنا محال ہے۔ بچپنا، شباب، سنرسیدگی، پیری کو ایک دوسرے سے جدا سمجھنا مکروہ فرو گذاشت ہے۔ جس کے بعد صحیح نتیجہ پہ پہنچنا مشکل۔ یہ زندگی بلا مقصد نہیں ہوتی۔ اس کا کوئی نہ کوئی نصب العین ہونا چاہئے، اور وہ مقصد صحیح و صالح ہو جس کی تعین تندرست فکر و توانا تفکر سے ہونا چاہئے۔ اس لئے زندہ رہنا کہ پیدا ہو گئے ہیں۔ کوئی بات ہی نہیں۔ مقصد کے بغیر زندگی بسر کرنا بہائم، جانوروں کی طرح شب و روز گزارنا ہے۔

انسانی زندگی بغیر مقصد کے حاصل نہیں ہوتی۔ وہ مقصد اعلیٰ سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔ پھر ساری زندگی اسی محور پہ گردش کرے یہ ہی کامرانی ہے۔ نصب العین سے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ انہی تحریکات سے زندگی

بننے لگتی ہے ۔ مخفی خزانوں کا انکشاف ہوتا رہتا ہے ۔ ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں ۔ اور شخصیت نمایاں ہونے لگتی ہے ۔ یہ زندگی از خود نہیں ملتی ہمت مردانہ کی مدد سے ہاتھ آتی ہے ، اس راستہ میں دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے ۔ اس کے لئے سب سے پہلے ہم کو اپنی فطری قوتوں کا جاننا ، اور ان پر پورا تسلط حاصل کرنا ، یعنی اپنی مخفی طاقتوں سے منظم طور پر عالی ہمتی اور استقلال سے کام لینا پڑے گا ۔ جب ہم ان ظلمات کو طے کر لیں گے ۔ تو چشمۂ حیات پر پہنچینگے ۔ یہ ہی وہ چشمہ ہے ۔ جس کو ایک عالی ہمت زندگی کہتا ہے ۔ جس کی فضا میں خوشی و مسرت برستی پھرتی ہے ۔

یاد رکھو تن آسانی کا ذوق ، دشواریوں سے الجھن ، سختیوں سے ہراساں ہونا ۔ عزم بلند کی توہین ہے ۔ اس زندگی میں ، عشرت منزل حرام ہے ، شورش طوفان حلال لذت ساحل حرام

اقبال

دیکھو میرے سامنے دو راستے تھے ۔ ایک وہ جس کو دنیا ہموار سمجھتی ہے ۔ دوسرا وہ جہاں سر و جان کی بازی تھی ۔ پہلا راستہ یزید پر منتہی ہوتا تھا ۔ دوسرا دشوار گذار راستہ بارگاہ حسینی سے گذرتا ہوا خدا تک پہونچ رہا تھا ۔ پہلے راستہ کو میں نے جان بوجھ کر چھوڑا ۔ کیوں ؟

صرف اس لئے کہ مجھے معلوم ہے

خون دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ

اقبال

خوب یاد ہے ، علیش کوشی و محترم زندگی میں تذا وپہ ہے ✓
قسمت بادہ مگر حق ہے اسی ملت کا
انگیں جسکے جوانوں کو ہے تخاب حیات
اقبال

سچی زندگی کے لئے بلند جذبوں کا پروان چڑھنا ضروری ہے ✓
نہیں زندگی سلسلہ روز و شب کا
نہیں زندگی مستی و نیم خوابی
حیات است در آتش خود تپیدن
خوش آں دم کہ ایں نکتہ را باز یابی
اگر ز آتش دل شرارے بگیری
تواں کرد زیر فلک آفتابی
سمجھتا ہے جو موت خواب لحد کو
نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی
اقبال

عام زندگی کے ہو گے جینا پست حوصلہ لوگوں کا شعار ہے۔ زندگی کو اپنا بنا کے زندہ رہنا اعلیٰ کردار کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ یوں ہی جیتے ہیں ، ان میں ، اور جو لوگ زندگی سے مقابلہ کر کے اس پر قابو حاصل کرتے ہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک کامل ہے — دوسرا چاق چوبند ہے — دوسرا اس کی قدر و قیمت سے واقف ہے ، اس کا مول جانتا ہے۔ ایک کی آنکھیں بند ہوئیں وہ مر گیا۔ زمین کے سینہ کا ایک بوجھ ہلکا ہو گیا ، دوسرا ایا تو مرتا نہیں اور اگر مرتا بھی ہے تو اہل زمین اس کو یاد رکھتے ہیں۔ وہ کچھ اپنی برکتیں ، یادداشتیں چھوڑ کر مرتا ہے ہر ایک وقت گذر جانے کو غنیمت سمجھتا ہے۔

مقصد زندگی کیا ہے ؟

اس سوال کے جواب دنیا میں بہت مختلف ہوں گے ، جس جماعت اور جس طبقہ سے سوال کیا جائے گا ۔ وہ اس کا جواب اپنے رجحانات کے مطابق دے گا ۔ اور یہ طے ہے کہ رجحانات بہت مختلف ہیں ۔ لیکن غور و شعور جو انسان کی گراں مایہ پونجی ہے ۔ فکر و نظر جو انسان کا خاصہ ہے ۔ اس کی مدد سے کام لینا چاہتے ہے ۔ کوئی فیصلہ اپنے میلان سے نہ کرنا چاہئے ۔ ہماری نظر میں مقصد زندگی کیا ہے ؟ اس کو بگوش دل سنو اور بچشم ہوش اس کے حقائق کو دیکھو پھر فیصلہ تم خود ہی کر لو ۔ تم کو یاد ہے میں نے قصر بنی مقاتل کے قریب بابا جان سے کیا عرض کیا تھا ؟ یہ ہی کہا تھا نا ، کہ "حق پر ہوتے ہوئے موت کی کیا پرواہ ہے" اس سوال کا حقیقی جواب یہیں سے ملتا ہے ۔ یعنی مقصد زندگی ، حق جوئی اور حق کے مطالبہ پورا کرنا ہے ۔ اس کے سوا کچھ نہیں ۔ حق پر جینا ، حق پر رہنا ، حق کا ساتھ دینا ، حق پر مرنا ، بس یہ ہے کامیاب زندگی ۔

لفظ حق اتنا جامع اور کشادہ دل ہے کہ زندگی کی تمام ذمہ داریاں زندگی کے تمام مشغلے ، زندگی کے تمام فرائض اس میں سموئے ہوئے ہیں ، فلاح کا کوئی گوشہ اس سے نہیں بچا ، تم خود غور کرو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں حقیقت یہ ہی ہے

تم کہہ سکتے ہو کہ روشن خیال دنیا خوشی و مسرت کو مقصد زندگی ، ماحصل زندگی ، قرار دیتی ہے ،

عزیز من : میں کبھی اس کی مخالفت نہیں کرتا ۔ بےشک دنیا میں ہر کام

کی غرض کوئی مسرت ہی ہوتی ہے، چاہے محسوسِ شعور، ہو یا نہ ہو مگر عمل کی غرض خوشی ہی ہے، ساری کد و کاوش اسی لئے ہے، تسلیم۔ لیکن خوشی کیا ہے؟ یاد رکھو یہ کسی خاص چیز کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک اضافی جذبہ ہے، خوشی کا تصور مختلف انسانوں کے لئے مختلف معنی رکھتا ہے۔ ایک شخص کو ایک بات سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا بالکل اسی بات سے برہم ہو جاتا ہے۔

رنگین مزاجوں کی خوشی کے سامان۔ اربابِ زہد کے لئے نفرت کا موجب ہوتے ہیں۔ جہاں فنا وحشی اقوام باغ باغ ہوتی ہیں۔ اسی جگہ مہذب قوموں کا دم گھٹنے لگتا ہے۔

جہاں ایک شوریدہ سر سر دھنتا ہے وہیں ایک عاشق مہجور کا کلیجہ شق ہو جاتا ہے۔

ان مثالوں سے تم نے اچھی طرح اندازہ کر لیا۔ کہ خوشی کسی معین چیز کا نام نہیں بلکہ تم خود ہی جس میں خوش رہنے کی عادت اپنے میں ڈال لو۔ اسی میں تم کو مسرت حاصل ہونے لگے گی اگر تم تعمیری کاموں کے خوگر ہو جاؤ تو جو فرحت تم کو خدمتِ قوم میں حاصل ہونے لگے گی۔ تم اس خوشی کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ جو مجھ سے اس وقت تھی جب آخری ہچکی بالکل حلقوم کے قریب آگئی تھی۔

کیونکہ چشمِ بصیرت کو صرف حق ہی کا سرمہ راس آتا ہے کسی اور سے اس کی تزئین ممکن ہی نہیں۔ اب تم نے دیکھا حق و مسرت کیوں کر یکجا ہیں۔

---

* اور لوگوں کو رقص و سرود سے جو حاصل ہوتی ہے اس سے زیادہ پائیدار اور نتیجہ خیز فرحت

قربانی

اگرچہ میں اپنے بیان میں جا بجا اس عنصر ترقی کی طرف اشارہ کر چکا ہوں، وہ نسبتاً شخصی و انفرادی تھا۔ اس جگہ ذرا کھول کے کہنا چاہتا ہوں۔

کوئی قوم کوئی فرد اس وقت تک ترقی کر ہی نہیں سکتی جب تک وہ قربانی پیش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو۔ اس کی ضرورت پڑے یا نہ پڑے آمادہ ہر وقت رہنا چاہئے۔ موقع نہ آیا فبہا، آگیا تو سبحان اللہ قربانی کو ڈراؤنا سمجھنا یا خوفناک تصور کرنا ایک بنیادی غلطی ہے، اس سے باخبر رہنا ہر ہوشمند کا فرض ہے، بہ یقین رکھو، اور پورے مطمئن رہو کہ قربانی کبھی رائگاں جاتی ہی نہیں، جو لوگ قربانی کے نام سے دہل جاتے ہیں ان لوگوں نے قربانی کے سہانے نتیجہ کو کبھی حق بین نگاہوں سے دیکھا ہی نہیں، وہ حال کے دکھ کو دیکھتے ہیں استقبال کا سکھ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اس لئے تکلیف سے پریشان ہوتے ہیں۔ اگر نظر بلند کریں تو موجودہ مشقت مستقبل کی بہبودی میں مدغم ہو کر غیر محسوس ہو جائے،

قربانی کے وقت اگر جان کی بھی نوبت آئے تو دریغ کرنا گناہ ہے، یہ جاں نثاری موت نہیں حیات جاوید ہے۔ حریت کا تقاضہ یہی ہے

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوش لحد

اقبال

تسلیم و رضا

بیشک، کردار کی ایک اہم ترین اور عظیم الشان خصوصیت "تسلیم و رضا" ہے، مگر جانتے ہو تسلیم و رضا کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے، ہماری سرگذشت پر گہری نظر کرو اور اس گتھی کو سلجھاؤ، تسلیم و رضا کا وقت وہ ہے، جب ہم اپنی ساری کوششیں بروئے کار لے آئیں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کرلیں قوت کردار آخری لمحہ تک مصروف کار رہے جب ہم جان لیں کہ اب کوئی امر ہماری قوت سے باہر ہمارے سامنے ہے، بس یہاں سے تسلیم و رضا کی منزلیں شروع ہوتی ہیں، اس سے پہلے نہیں۔

تمہارا تعارف تم سے

میں اپنا تعارف تم سے کروا چکا۔ یہ بتا چکا میں کون ہوں۔ اور تم سمجھ بھی گئے، اب خود تمہارا تعارف تم سے کرواتا ہوں، تم کو اس بات میں حیرت نہ ہو، پہلے میری بات سُن لو پھر رائے قائم کرو اور بتاؤ میں نے تمہارا تعارف تم سے کیوں کیا، تم ماشاء اللہ، چشم بددور، نوجوان ہو۔ آؤ پہلے دیکھیں جوانی کسے کہتے ہیں

جوانی زمانہ بلوغ زندگی کا اہم ترین حصہ ہے ایک ملک سے دوسرے ملک میں داخلہ ہے، ایک منزل سے دوسری منزل میں آمد ہے، بچپن رخصت ہو رہا ہے، آہستہ آہستہ جوانی رگ و پے میں سرایت کرنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چلا گیا، اور

بے دیکھے، یہ آن پہونچا، شباب کی شاہانہ سواری قریب آئی، آئی اور بڑی
آن بان سے آئی۔ بڑے تزک و احتشام سے آئی۔ آتے ہی اس سرزمین کی
دنیا ہی بدل دی۔ نیا دل، نئے خیالات، نئی فکر، نئی روش، اب کیا ہے
سینہ میں ایک بے پناہ جذبہ موجیں لے رہا ہے، گلستان عمر میں بہار آ
گئی۔ رنگ رنگ کے پھول کھلے، اب دل کا بلبل ایک شاخ پر گھبراتا ہے، نئے
نئے پھول ڈھونڈتا ہے، کچھ قوی نشو ونما پا چکے ہیں۔ کچھ پا رہے ہیں۔ طبیعت
میں نئے ولولے جگہ بنا رہے ہیں۔ ذہنی تبدیلیاں، انفرادی رجحانات رونما
ہو رہے ہیں، شخصیت ایک نمایاں فرق محسوس کر رہی ہے، کوئی گدگدا، گد
گدا کے پکار پکار کے کہہ رہا ہے۔ بس آگیا ـــ سمجھے یہ کون ہے؟ یہ شباب ہے
زندگی کی یہ صبح بہت دلربا بلکہ بڑی فریب کار ہے، زمانہ شباب تنہا
نہیں آتا۔ رنگینیوں اور بیرنگیوں کے ہجوم میں آتا ہے، اس کے دکھاتے ہوئے
سبز باغ اتنے نظر فریب ہوتے ہیں۔ کہ دل خوانخواہ للچانے لگتا ہے، یہ
دھوکا ہی دھوکا ہے، اس کی سیمیائی نمود کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ نقش ونگار
ایسے ایک پردہ پر ہیں جس کے پیچھے تاریک غار ہیں۔ اور گناہ کے مہیب کھنڈر
قدم لڑکھڑایا اور گرے۔ جس پر اس دیو کا داؤں چل گیا وہ ہمیشہ پچھتایا۔
یقین نہ ہو تو ان سے پوچھ دیکھو جو اس کے چکمے میں آکر زکیں اٹھا چکے ہیں
اس دور سے گذرے ہوتے، جب عہد رفتہ کو یاد کرتے ہیں تو بوڑھی
پیشانی ندامت کی شبنم سے بھیگ جاتی ہے، ورنہ چند گہرے اور ٹھنڈے
سانس تو لیتے ہی ہیں۔ اس دیو کو بڑی چابک دستی سے قابو میں لانا چاہئے، یہ
وقت بڑا قیمتی ہے، زندگی کے متعلق نظریات کے قائم کرنے کا خاص الخاص
وقت ہے، دنیا میں ہر شئے کی قیمت ہے مگر وقت کی کوئی قیمت نہیں۔

احتیاط، تدبر، سلامتی ہوش کا یہی زمانہ ہے، اب کا بگڑا مشکل سے بنتا ہے، اس وقت کا بنا ہوا بہت کم بگڑتا ہے۔

پختہ عمر کی دانشمندی۔ اسوقت قابل قدر ہے، جب وہ جوانی ہی میں حاصل کر لی گئی ہو۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ صرف بڑھاپا ہی دانش مندی سے مناسبت رکھتا ہے، نیکی جوانی کی ہے، ہوشمندی جوانی کی ہے۔

قرآن حکیم نے حضرت یوسف علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کا قصہ تمہاری ہی تسلی اور رہنمائی کے لئے بیان کیا ہے اور اس قصہ کا نام احسن القصص اس لئے رکھا ہے کہ تمہاری مائل بجنس طبیعت اس سے بہرہ اندوز ہو سکے، جو لوگ شباب کے ہنگامی ہیجان کے سامنے ہتھیار پھینک چکے ہیں، انھوں نے جوانی کو دیوانہ بتایا ہے،

لیکن جو لوگ، جذبات کی رو کا رخ بدلنا جانتے ہیں جو اپنے اوپر اور اپنے کردار پہ اعتماد رکھتے ہیں وہ اس مقولہ کو شباب کی توہین سمجھتے ہیں میں بھی جوان ہوں۔ اگر یہاں مجبوریاں ہی مجبوریاں ہیں تو میرے لئے بھی ہوتیں۔ لیکن تم شاہد ہو میرا شباب خدا کے فضل سے کتنا اچھوتا ہے، کردار بلند اور حوصلہ پہ بھروسہ ہو تو پھر کوئی کوتاہی ہو ہی نہیں سکتی۔

وہ ہی جواں ہے قبیلہ کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بیداغ ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھکر
اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

عجب نہیں ہے اگر اسکا سوز ہے ہمہ سوز
کہ نیستاں کیلئے بس ہے ایک چنگاری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری
نگاہ کم سے نہ دیکھ اسکی بے کلاہی کو
یہ بے کلاہ ہے سرمایہ کلہ داری

اقبالؔ

تم کون ہو

داستانِ جوانی سن چکے۔ اب سنو تم خود کون ہو۔ تم ایک برزخی دور کے مالک ہو، دو ناتوانیوں کا اعراف ہو (ڈالٹا) تم زندگی کے ایک دوآبے پر آن پہونچے ہو پہلی کمزوری ترقی کر کے تمہارے وجود میں تحلیل ہو چکی ہے۔ دوسری ناتوانی آفتاب شباب کے زوال سے جھانکنے لگے گی۔ یہ رعنا توانائی دونو مختلف ناتوانیوں کا سنگم ہے۔ یہ دو نشیبوں کے درمیان ایک دلکش فراز ہے۔ یہ دونو نشیب اپنی ساخت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تمہارے نام میں (نوجوان) ایک وزن ہے۔ بھرم ہے، رعب ہے، شوکت ہے، خداداد دبدبہ ہے، تم ہی وہ طاقت ہو جس پر قوم کی توانائی اپنی بنیاد رکھتی ہے؛ قدرت کے فیاض ہاتھوں نے تم کو ایک حسین امانت سپرد کی ہے، جو تمہارے سوا کسی کے پاس نہیں، وہ ہے تمہارا "زور" (جسمانی و فکری) تیری انگڑائی سے ملت کی رگوں میں خون توازن سے گردش کرنے لگتا ہے، تیری للکار سے اپنے بیگانے اور دشمن کانپتے ہیں، تیری اذان سے قوم کا دل بڑھتا ہے، اغیار کا زور گھٹتا

ہے، تیری اذان سطوت توحید کی بانگ ہونا چاہئے۔ دیکھو تم پر کتنی پر
امید نگاہیں پڑ رہی ہیں۔

ہاں یہ بھی یاد رہے، کچھ تم مقروض بھی ہو، اور کسی کے احسان کے
امین بھی۔ تمہارے فرائض بڑے شاندار ہیں۔ میں بتا چکا ہوں کہ تم دو
ناتوانائیوں کے بیچ میں ہو۔ ایک ہاتھ میں اس محبوب ناتوان (اولاد)
کا ہاتھ پکڑ کے ان کو چلنا سکھاؤ۔ دوسرے ہاتھ سے ان کا بازو تھامو جن
کے قدم اب ڈگمگانے لگے ہیں (والدین) ایک تمہارے ماضی کے محسن ہیں،
ان کی مخلص خدمتوں نے تم کو یہاں تک پہونچایا۔ لہذا ان کے احسان کا
شکریہ ادا کرو۔ دوسروں پر اپنی خدمت کا احسان کر کے اپنی پیری
کے مخلص مددگار بناؤ۔ ایک کو قرض دو۔ ایک کا قرض ادا کرو۔

میری جوانی تم کو تا قیامت مشورہ دیتی رہے گی۔ کہ باعتبار سن جوان
ہونا کوئی وصف نہیں، یہ جوانی روز و شب کے گذرنے سے آتی ہے اور
آتی رہے گی۔ اور چلی جاتی گی۔ یہ بھی کوئی ناز کی چیز ہے۔ ہاں جوان
مرد بنو، جوان عزم بنو۔ جوان بخت ہو۔ جوانی کو دیوانہ کہنے والوں کو
جھٹلا دو۔ تم کو دنیا نہ بنائے تم خود اس کے معمار بنو۔ تمہارے بازو میں
طاقت ہے تم دنیا کو جیسا بناؤگے ویسا بنے گی۔ "دنیا ساز" یا "دنیا ساختہ"
ہونا بھی کوئی ہنر ہے۔ "دنیا گر" بنو۔ دنیا کا مستقبل تم کو دیکھ رہا ہے،
آنیوالی گھڑیوں کی بھلائی تمہارے دم قدم سے وابستہ ہے، تمہاری
پاک نگاہی استقبال کے لئے نوید امن و مسرت ہے، تمہاری تازہ دم
نظر ہر حقیقت کو بے نقاب دیکھ سکتی ہے۔ اہل دنیا تمہارے دامن پر
خود سری اور خود کاری کا بدنما دھبہ لگانا چاہتے ہیں۔ ہوشیار رہنا تم ان

خود ان کو کوئی موقع نہ دینا۔ اٹھو زندگی کو اپنا بناؤ۔

نتیجہ

تم میری سرگذشت پہ چاہے ایک نظر بھر ڈال کر دیکھ لو۔ اس کا ماحصل یہ ہی ہے۔ اور صرف یہ ہی۔

مستعدی۔ استقلال۔ عزم۔ ہمت، اخلاص۔ یقین، خدا پہ بھروسہ وغیرہ کامیاب زندگی کے زرین عناصر یہ ہی ہیں۔ انہی مفردات کے مرکب کی خاصیت نیکنامی اور مستحکم زندگی ہے۔ وہ زندگانی جس پہ جوانی کی بہاریں ہمیشہ سایہ فگن رہتی ہیں۔ زمانہ کا اضطراب، روز و شب کا انقلاب ان بہاروں کو تاراج نہیں کر سکتا۔ مہینہ و سال کی تو بساط ہی کیا۔ قرن اور صدیاں بھی اس پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ یہ آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہتا ہے۔ بشرطیکہ تم زندگی میں امتیاز پیدا کر لو۔ بلا امتیاز زندگی، انسانی نہیں۔ نباتی و حیوانی ہے۔

بلند مرتبہ، بلند حوصلہ، بلند کردار، بلند نصب العین، یہ ہے وہ جوانی جو کبھی نہیں ڈھلتی، یہ وہ مہر نیمروز ہے جو زوال کو جانتا ہی نہیں،

آؤ۔ آؤ۔ شباب کے آفتاب کی تابیں کھینچکر برج شرف میں پہونچاؤ۔ کام کر کے نام کی زندگی حاصل کرو۔

رعب باطل کی فتنہ سامانی

زندگی میں اکثر ایسی نامبارک گھڑیاں آجاتی ہیں۔ جب انسان کو باطل سے پالا پڑتا ہے۔ چوں کہ اکثر باطل مادی طاقت کا سہارا لے کر میدان

میں آتا ہے اس لئے بہت سے بندگانِ خدا اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ یہ نہ فقط حق کا خون اور انسانیت کی توہین ہے۔ بلکہ عزم و ارادہ کی بھی رسوائی ہے نوجوانو ——— تم کبھی کلنگس کے اس ٹیکے کو گوارہ نہ کرنا۔ ہم کو دیکھو۔ ہم باطل سے مرعوب نہیں ہوتے اور حق یہ ہے کہ "مردِ مومن" باطل سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اور نہ مرعوب ہونا چاہئے۔

تم جانتے ہو مرعوبیت کیا ہے؟ اور اس کے نتائج کتنے خطرناک ہیں؟ مرعوبیت کیا ہے؟ ——— کسی کو کسی اعتبار سے بڑا سمجھ کر اس کی عظمت سے بدرجہ غایت متاثر ہونا مرعوبیت ہے؟ تم ہی بتاؤ بھلا باطل میں بھی یہ صلاحیت ہے کہ اس کو کسی اعتبار سے بھی بڑا سمجھا جائے، اور اس کا کوئی اثر لیا جائے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیوں کہ مرعوبیت اتنے ہی پر بس نہیں کرتی۔ بلکہ مرعوب ہو جانے کے بعد ہر عیب ہنر نظر آنے لگتا ہے ——— انسان جس شخصیت سے مرعوب ہو جاتا ہے، پھر اس کو اس شخص کا کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا۔ کیوں کہ رعب قوتِ فکر و تنقید کو معطل کر دیتا ہے۔ اسی لئے مرعوب قومیں فاتحین کی ہر شے کو محبوب اور معزز سمجھنے لگتی ہیں۔ اور بہت جلد ان کے رنگ میں رنگین ہو جاتی ہیں۔ ان کا تمدن، ان کی زبان، ان کے علوم، ان کی وضع قطع ان کی ہر شے عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کی داستان احترام کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ پھر اس کا زہریلا اثر کیا ہوتا ہے۔ تم خود سمجھتے ہو ہمارے بابا اس حقیقت سے خوب واقف تھے۔ نفسیات کے اس پہلو

سے باخبر تھے۔ اس لیئے بڑے شد و مد سے انہوں نے ثابت کر دیا کہ احترام کا سزاوار صرف حق ہے۔ باطل کسی بھی تزک و احتشام سے ہمارے سامنے آتے۔ کیسے ہی حشم و خدام سے ہمارا مقابل ہو۔ ہم اس کو پرِ کاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دے سکتے ــــ یہ اس لیئے نہیں کہ وہ فقط ہمارے رجحان کے خلاف ہے۔ بلکہ اس لیئے کہ اس کا اثر و نفوذ قائم نہ ہو ورنہ باطل عوام کی ذہلیت پراگندہ کر دے گا۔ ان کے دل و دماغ کو غلام بنا لے گا ـــــ

وہ ملاحظہ فرما رہے تھے کہ یزیدی تلواریں، اُس کا خزانہ، اس کا طوفانی لشکر، اپنا رسوخ قائم کرنے میں مصروف ہے ـــ بابا نے آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا ـــ اوـــ یزید تو اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا، تو لاکھ کچھ کرے ہم اپنے انمٹ حوصلہ سے اس کا مقابلہ کریں گے تو ظلم ہی کر سکتا ہے۔ اور کیا کرے گا۔ ہم تیرے ظلم کو بہر طور سہیں گے۔ بالآخر شہادت کا چھلکتا ہوا جامِ لذیذ نوش کریں گے۔ خود سرخرو ہوں گے ـــ نتیجہ میں تجھے روسیاہ ہونا پڑے گا۔ چنانچہ حضورؑ نے مقابلہ کیا اور کیا مقابلہ ـــــ؟

اس طرح جس سے ظلم سیہ فام ہو گیا
نامِ یزید داخلِ دشنام ہو گیا

جوشؔ

اس حسنِ تدبیر سے آنیوالی نسلوں کو مرعوبیت کی مسموم فضا سے بچا لیا اور حق کے چہرہ کو نگاہ عوام سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

نوجوانو:- میں تمہارا نمائندہ بھی مجمد التدیہ خدمت انجام دے رہا تھا۔

اختصار و توضیح

نوجوانو ـــــ ماشاء اللہ تم جوان ہو۔ یہ زمانہ بہت غنیمت
ہے۔ یہ وقت بڑا مبارک ہے۔ تم ایک پرشباب انگڑائی لو۔
رگوں میں خون کی رفتار بڑھے اور چہرہ جوشِ عمل کے غازہ سے
جگمگانے لگے ـــ یہ بیش قیمت وقت، یہ سہانا موقع ہاتھ
سے جانے نہ پائے اس پر اور اپنی ذات پر قابو پاؤ۔ اپنی ذات پر
قابو پانا ہی مسرت ہے۔ جو آدمی اپنے دل کی دنیا میں حکمران
ہے۔ وہ حوادثاتِ زمانہ سے چراغپا نہیں ہوتا۔ تکلیف کے خارستان
سے مسکراتا ہوا گزر جاتا ہے۔

یاد رہے ـــــ دنیا میں تمام برائیاں اور ساری خرابیاں،
ان لوگوں کی منت کش ہیں۔ جو لوگ اپنی طبیعت پر اختیار نہیں
رکھتے، قتل و غارت، مئے پرستی و قمار بازی، دغا و فریب کاری،
وغیرہ وغیرہ سب اسی ایک کوتاہی کے پیداوار ہیں۔ تم خواہشات کے غلام
نہ ہو نہ ان کو بالکل مٹانا۔ کیونکہ یہ رہبانیہ ہے۔ جس کی شریعت کسی کو
اجازت نہیں دیتی۔ خواہشات کی نیاز مندی۔ افراط ہے۔ اور مذموم خواہشات
کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا۔ تفریط ہے ـــ یہ بھی برا ہے۔ عقل و شرع کو
نہ افراط محبوب نہ تفریط مرغوب ان دونوں برائیوں کے علاوہ صراط مستقیم
یعنی فطری خواہشوں کو ان کے صحیح راستہ پر لگانا ہے۔ سچ پوچھو تو جوانمردی یہ
ہی ہے، اولوالعزمی اسی کا نام ہے، ہوشیاری اسی کو کہتے ہیں اور یہ ہی
حقیقی مسرت ہے۔ مسرت کا انحصار بیرونی واقعات پر نہیں بلکہ اندرونی

کیفیت کا نام ہے۔ کسی چیز، کسی شخص، کسی واقعہ سے خوشی نہیں محسوس ہوا کرتی
بلکہ اس شئے، شخص، واقعہ سے جو ردِ عمل ہمارے اندر پیدا ہوتا ہے، اسی سے
ہمکو مسرت حاصل ہوتی ہے (جسکی تفصیل پہلے بیان کر چکا ہوں) اسلئے
مسرت پانے کا ذریعہ خود ہم ہی ہیں کوئی بیرونی شئے نہیں۔ کیوں کہ ردِ عمل بہت
کچھ ہمارے قابو اور اختیار کی چیز ہے وقت کم ہے بات طویل ہوتی جاتی ہے
بس یہ کہہ رہا ہوں کہ وقت کو غنیمت جانو۔ عمل کا خاص الخاص وقت ہے،
ہمارے جدِ امجد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ نے اسوقت کو محفوظ رکھنے
کی خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے اعملوا فی الشباب قبل الھرم
کام کرنا ہے تو بڑھاپے سے پہلے جوانی میں کام کرو۔ فی الحقیقت تم اسوقت سب کچھ کر
سکتے اور ایسا کر سکتے ہو تو کہ بڑھاپے کے لئے ذخیرہ ہو سکتا ہے، اسوقت کا کیا اس
وقت کام آتا ہے، تم "غلط اندیش" لوگوں کی طرح بڑھاپے کے استقبال کا انتظار نہ
کرو۔ یہ صرف کہنے کی بات ہے کہ ع توبہ کر لینگے محل آئیگا استغفار کا۔ بھائی بڑھاپا
کیا کام کریگا۔ جو کچھ بھی ہوگا لرزہ براندام ہوگا کپکپاتا ہوا ہوگا۔ اسوقت خوش نصیبی
سے عمل کی ہوس ہوئی بھی تو طاقت کہاں ہوگی۔

رباعی

کیا بات ہے کس خوف سے تھراتا ہوں
کچھ قوت و طاقت میں کمی پاتا ہوں
پیری تو جوانی سے گراں قدر نہیں
کیا بوجھ پڑا ہے کہ دبا جاتا ہوں

رشید مرحوم

بساط شباب کی صدر نشینی دائمی نہیں "بے مہر" پیری خاموشی سے آتی ہے اور ہاتھ
پکڑ کر بڑی بیدردی سے اس "لالہ زار" سے باہر نکال لے جاتی ہے، یہ ظالم ہاتھ
پکڑنے کی بھی لاج نہیں رکھتی، نہ پوچھئے۔ کیسے کیسے پٹخنے دیتی ہے، ایسی درگت
بناتی ہے، کہ چھٹی کا دودھ، یاد آجاتا ہے۔

رباعی

گلزار شباب سے نکالا مجھ کو
سو بار گرا پھر نہ سنبھالا مجھ کو
اپنا ہو کر غیر کا کام کرے
میری پیری نے مار ڈالا مجھ کو

دلشیر

پھر تم ہی بتاؤ اس وقت کیا ہو سکتا ہے۔ یہ کام کا وقت نہیں۔ خدا نکردہ اگر شباب
کے ایام میں فرو گذاشت ہو گئی تو یہ زمانہ کف افسوس ملنے کا ہوتا ہے، کیوں
کہ اس سے زیادہ کی قوت ہی نہیں۔ لیکن یہ تاسف بے سود ہے۔ نوجوانو
ـــ میں تم سے یہ نہیں کہتا۔ ع من نہ کردم شما حذر بکنید، میں تو تم کو
اُس کی دعوت دے رہا ہوں جو بحمد اللہ میں نے کیا ہے۔ آؤ میرا ساتھ دو میرے
نقش قدم سے منزل کی قربت ڈھونڈو۔ بڑھاپا آنے سے پہلے ہی شباب کے
پیر بن جاؤ۔ کامیابی اور نیک نامی تمہاری مرید ہو کے رہے گی۔ اگر تم
کو مجھ سے سچی محبت ہے اور دل سے مجھے دوست رکھتے ہو تو ممکن ہی
نہیں۔ تم میرے مشورہ پر عمل نہ کرو، میرے کردار کی رعنائی، کا نذرانہ
یہ بچا ہے۔ میرے شباب کا خراج عقیدت یہ ہی ہے۔ جس کا میں تم سے
طالب ہوں ـــــ دیکھو آج کی باتیں فراموش نہ کرنا۔ اس
صحبت کو یاد رکھنا۔ قول جوانمرداں جاں دارد۔
اللہ تمہاری توفیقات میں فراوانی بخشے۔ اچھا

خدا حافظ